ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



ڈاکٹر انیلہ سلیم ۞

# کشمیری رشی شاعری کا منظوم اردو ترجمہ
## (رشی نامہ از طاؤس بانہالی)

**Translation of Kashmiri Rishi Poetry (*Rishi nama* by Taus Banhali)**

By *Dr. Aneela Saleem, Assistant Professor, Department of Urdu, Oriental College, University of Punjab, Lahore.*

**ABSTRACT**

Ghulam Rasool Taus Banahali, the creator of the famous song based on Kashmiri Love: *Meray Watan Teri Jannat Main Aayen Gay Ik Din*, is an acknowledged and eminent name of Kashmiri poetry. His literary aspects are diverse as he has not only written literary essays but translated Kashmiri folk stories as well. The translation of Kashmiri Rishi Poetry of Nooruddin Rishi of the eighth century AH entitled *Rishi Nama* stands unique among his literary works. This translation showcasing simplicity of words and thoughts, fluency, and melody renders it a masterpiece thus manifesting what a literary translation should be like. The soul of the original matter of Kashmiri mystic poetry is maintained in this translation focusing instability of the world, piety, austerity, fate and Allah's will. Taus Banahali's contribution to Urdu literature is awesome. He introduced new words to the world of Urdu regarding mysticism, Kashmiri poetry, civilization and culture. In this article, the efforts are made to highlight this piece of art, so that the linguistic and literary contributions of Ghulam Rasool Taus Banahali in Urdu are given due credit.

**Key words:** Rishi nama, Taus Banhali, Kashmir, Ghulam Rasool, Kashmiri Civilization, Nooruddin Rishi, Folk stories.

۞ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، اورینٹل کالج، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



نورالدین رشی آٹھویں صدی ہجری کی آخری چوتھائی کے ایک مشہور کشمیری صوفی بزرگ تھے جنھوں نے کشمیری زبان میں صوفیانہ شاعری کی۔ انھوں نے اپنے کلام کے ذریعے تبلیغِ اسلام اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے فروغ میں بھرپور کردار ادا کیا اور اپنے پیغام کی ترویج کے لیے شاعری کو ذریعۂ اظہار بنایا۔ ان کی شاعری کے موضوعات دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری، عبادت، زہد، ریاضت، نفس کشی، تقدیر کی بالادستی اور رضاے الٰہی ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے مذہب کے نام پر ریاکاری کرنے والوں کو بھی ہدفِ ملامت بنایا۔

حضرت شیخ نورالدین رشی کو شیخ العالم اور نندہ رشی کے القابات سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

رشی اصل میں سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کے معنی دیدہ ور شاعر (A Poet with a vision) کے ہیں۔ کشمیر میں اسلام سے پہلے اس لفظ کا اطلاق ان نیک اور پرہیزگار لوگوں پر ہوتا تھا جو دنیا کو چھوڑ کر جنگلوں اور غاروں میں عبادت کر کے زندگی کے دن گزارتے تھے۔ عبدالاحد آزاد ''کشمیری زبان اور شاعری'' میں لکھتے ہیں:

> رشی اس شخص کو کہتے ہیں جو زن و فرزند سے مجتنب ہو کسی جان دار کو آزار نہ دے، نباتات کو پائمال نہ کرے، خلوت پسند ہو۔(۱)

نورالدین رشی نے مسلک ریشیت کو قرآن و سنت اور شریعت سے ہم آہنگ کر دیا اور کشمیری الاصل ہونے کی وجہ سے تبلیغِ اسلام کا وہ طریقہ اختیار کیا جو مقامی لوگوں کے طرزِ معاشرت اور نفسیات کے قریب ترین تھا۔

غلام رسول طاؤس بانہالی ۲۸ر نومبر ۱۹۳۳ء کو بانہال میں ایک پٹھان گھرانے میں پیدا ہوئے اور ۲۰ر ستمبر ۲۰۰۰ء اسلام آباد میں فوت ہوئے۔ انھوں نے کشمیری اور اردو زبان میں شاعری کی ریڈیو پر کام کیا اور اس کے علاوہ کشمیری رشی شاعر نورالدین رشی کی کشمیری شاعری کا ترجمہ اور لوک کہانیوں کا ترجمہ بھی ان سے منسوب ہے۔ ابتدائی عمر سے ہی انھوں نے شاعری کا آغاز کر دیا تھا، رومانوی مثنوی کے دل دادہ تھے۔ انگریزی، تاریخ، فارسی اور اردو ان کے پسندیدہ مضامین تھے۔

ڈاکٹر یوسف بخاری کے مطابق ''طاؤس بانہالی ریڈیو نام سے مشہور ہیں۔ آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی عبدالاحد خان ہے۔ آبائی وطن کھارہ بیئر کھانپورہ بانہال کشمیر ہے۔ ۲۸ر نومبر ۱۹۳۳ء میں کھارہ بیئر کھانپورہ بانہال میں پیدا ہوئے۔''(۲) قریبی دوستوں میں مختار صدیقی، احمد شمیم، شفقت تنویر مرزا، اظہار کاظمی اور شیخ تاج دین شامل تھے۔

طاؤس بانہالی کے نام کے بارے میں ڈاکٹر غلام حسین اظہر لکھتے ہیں:

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



> کشمیریوں کے انداز کی طرح طاؤس بانہالی کا نام بھی والدین نے غلام رسول رکھا لیکن غلامی کے خلاف بغاوت کے طور پر غلام رسول نے اپنا نام طاؤس بانہالی کی صورت بدل دیا۔ اس کا کہنا ہے حضور ﷺ غلامی کو مٹانے کے لیے مبعوث ہوئے تھے، طاؤس کے لفظ کے انتخاب میں اس کا ذوقِ جمال پنہاں ہے بانہالی کا لفظی اضافہ مادرِ گیتی سے اس کی والہانہ وابستگی کا آئینہ دار ہے۔ قلمی نام اس کی شخصیت کی اصل کلید ہے۔ بانہال کی سرزمین کی مہک اس کی شخصیت میں رچی بسی ہے۔(۳)

یہ وہی طاؤس بانہالی ہیں جنھوں نے کشمیر کے حوالے سے خوب صورت ترانہ لکھا جس کے بول ہیں:

میرے وطن تری جنت میں آئیں گے اِک دن
ستم شعار سے تجھ کو چھڑائیں گے اِک دن

یہ ترانہ کشمیری اور اردو ہر دو زبانوں میں ہے اور کشمیر کے ساتھ ساتھ اردو سے بھی ان کی محبت کا ثبوت ہے۔

طاؤس نے ۱۹۴۹ء میں پاکستان ہجرت کی اور پھر ۱۹۵۲ء میں راولپنڈی ریڈیو سے منسلک ہو گئے۔ اس سے پہلے وہ کشمیر ریڈیو سے وابستہ تھے۔ طاؤس بانہالی ۱۹۶۵ء کی جنگ میں صدائے کشمیر ریڈیو پر مجاہد کی آواز میں بولا کرتے تھے اور جہادِ کشمیر کے ایک سرگرم مجاہد تھے۔

کشمیریوں کو زمانہ قدیم سے ہی مختلف زبانوں کے ادبیات سے گہری دلچسپی رہی ہے۔ اس بات کی تاریخی شہادت موجود ہے کہ چودھویں صدی کے آس پاس کشمیر میں فارسی ادب کے رواج پانے سے پہلے اعلیٰ سنسکرت ادب تخلیق کیا جا رہا تھا۔ اس کے بعد اس خطے میں فارسی ادبیات کو متاعِ عزیز سمجھا جانے لگا۔ یہ خطہ جنت ارضی، ایرانِ صغیر کہلایا۔ بعد ازاں کئی صدیوں بعد اردو کو یہاں سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا۔

شمیم احمد شمیم نے ۱۹۷۵ء میں لکھا:

> ۱۹۳۱ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک ریاست کے اندر اور باہر ہم نے اپنی جدوجہد احتجاج اور مکالمے کے لیے جس زبان کا سب سے زیادہ اور مؤثر استعمال کیا ہے۔ وہ اردو ہی ہے۔ جموں اور کشمیر کے درمیان سیاسی مکالمے اور تہذیبی اشتراک کے لیے بھی اردو ہی ہمارے کام آتی ہے اور لداخ اور کرگل جیسے دُور اُفتادہ علاقوں کے ساتھ اپنا سیاسی اور ذہنی روابط برقرار رکھنے کے لیے ہم اردو کے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



> علاوہ کسی دوسری زبان کا سہارا نہیں لے سکتے... ریاست کی سرکاری زبان بننے سے اردو کو کوئی فائدہ ہوا یا نہیں۔ یہ کہنا مشکل ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اردو نے ریاست کے تینوں حصوں کے درمیان رابطے کی زبان کے فرائض انجام دے کر ہماری بہت سی مشکلیں حل کر دی ہیں۔ (۴)

طاؤس بانہالی نے نہ صرف حضرت شیخ نورالدین کا کلام طویل عرصے تک اکٹھا کیا بلکہ بعد از تحقیق متن کا وہ حصہ ترجمہ کیا جس میں وقت گزرنے کے ساتھ کوئی آمیزش نہ ہوئی ہو۔

''رشی نامہ'' دسمبر ۱۹۸۰ء میں لوک ورثہ کے قومی ادارہ اسلام آباد سے شائع ہوئی۔ ۲۳۳ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں مترجم نے ترجمے کو تخلیق کی سطح پر لا کر کشمیری زبان اور اردو ادب کی بڑی خدمت کی ہے۔ اس ترجمے کو اسی دور میں پذیرائی ملنا شروع ہو گئی تھی چوں کہ طاؤس بانہالی خود بھی اچھے شاعر تھے اس لیے انھوں نے نورالدین رشی کی شاعری میں پیش کردہ اصل پیغام کو مجروح ہونے نہ دیا اور یوں یہ اس ترجمے کی ایک خاص بات ٹھہری۔ ''رشی نامہ'' کی تقریب رونمائی کی روداد میں روزنامہ نوائے وقت میں لکھا گیا:

> ریاست جموں و کشمیر کے چودھویں صدی عیسوی کے عظیم صوفی شاعر، عالمِ دین، مبلغِ اسلام، علم دار کشمیر شیخ العالم حضرت شیخ نور الدین ولی عرف نندہ رشی کے مقبول عام کشمیری کلام کے منظوم اردو ترجمے ''رشی نامہ'' کی رونمائی کے سلسلے میں ایک سادہ مگر پروقار تقریب منعقد ہوئی۔ بہت سے نام ور شعرا اور ادیبوں نے شرکت کی۔ اس میں غلام رسول طاؤس بانہالی کو شیخ العالم کے کلام کا منظوم ترجمہ کرنے پر خراجِ تحسین پیش کیا۔ صدر تقریب ایس ایم رفیق نے کہا کہ مسٹر طاؤس بانہالی نے نندہ رشی کے کلام کا اردو ترجمہ کر کے کشمیری اور اردو ادب کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ طاؤس بانہالی یہ کارنامہ ادب نواز حلقوں اور شاعری سے لگاؤ رکھنے والوں میں یقیناً قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ (۵)

ایک شاعر جب کسی دوسرے شاعر کی شاعری کا ترجمہ کرتا ہے تو اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک شاعر نے جہاں اپنی فکر کو دوسرے شاعر کی فکر سے منطبق ہوتے دیکھا ہے۔ اس شعری فن پارے کو اپنی زبان کے پیکر میں ڈھال دیتا ہے۔ اچھی تخلیق کے لیے مشاہدہ بنیادی لازمے کی حیثیت رکھتا ہے اور مشاہدہ وسعتِ مطالعہ کا متقاضی ہوتا ہے۔ وسعتِ مطالعہ اور مشاہدے کی گہرائی کے تحت بہت سے خیالات شاعر کے ہاں تخلیقی سطح پر

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



اُجاگر ہوتے ہیں۔کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شاعر ان خیالات کو سلجھا نہیں پا رہا ہوتا یا اس کے خیالات اور جذبات و احساسات بہت حد تک پختہ نہیں ہوتے لیکن جب وہ ان محسوسات کو کسی اور زبان کے پیکر میں جلوہ گر دیکھتا ہے تو اس پر منکشف ہوتا ہے کہ اسی کے خیالی ہیولے مجسم صورت میں موجود ہیں، چناں چہ شاعر اس ادبی نمونے کو ترجمہ کرتا ہے یعنی اپنے خیالات خواہ واضح یا منظم نہ ہوں لیکن انھیں دوسری زبان میں موجود پا کر دل ان کی منتقلی پر اُکساتا ہے۔بعض اوقات خیالات کی پیچیدگی بھی تخلیق کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہے، ایسے میں ترجمے سے ابلاغ و ترسیلِ معانی کا کام لیا جاتا ہے۔

ترجمہ نگاری کی مختلف اقسام ہیں اور ان اقسام میں ذیلی تقسیم در تقسیم کا سلسلہ بھی نظر آتا ہے۔علمی و ادبی تراجم کی ذیل میں شعری و ادبی ترجموں کو اس کی مشکلات کے پیشِ نظر خاص اہمیت حاصل ہے۔شاعری کے ترجمے اور اس کے امکانات کے حوالے سے تین طرح کی آرا پائی جاتی ہیں:

۱) شاعری کا ترجمہ نثر میں کیا جا سکتا ہے۔
۲) شاعری کا ترجمہ نثر میں ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔
۳) شاعری کا ترجمہ صرف اور صرف شاعری میں ہی کیا جانا چاہیے۔

نظم کے ترجمے کو تراجم کی سب سے مشکل قسم کہا جاتا ہے جو کہ بہت حد تک حقیقت پر مبنی ہے۔ڈاکٹر خلیق انجم اس حوالے سے ''شاعری کا ترجمہ'' میں رقم طراز ہیں:

> سب سے زیادہ مشکل اور بعض اوقات تو ناممکن حد تک مشکل کام نظم کا ترجمہ ہے جس کے لیے ڈاکٹر جانسن نے بہت سیدھے سادے اور مختصر الفاظ میں کہا تھا: ''نظم کا ترجمہ تو جناب ہو ہی نہیں سکتا'' اور وکٹر ہیوگو نے فیصلہ سنایا تھا ''نظم کے ترجمے کا خیال ہی بے معنی اور ناممکن ہے'' لیکن اس کے باوجود مغرب کے بعض صفِ اوّل کے ادیبوں اور شاعروں نے اس بے معنی اور ناممکن فن کی طرف توجہ کی ہے مثلاً ہورلیس، سیسرو، لوتھر، ڈرائی ڈن، پوپ، شیلی اور کالرج وغیرہ نے بہت اہم ترجمے کیے ہیں۔(۶)

اب اگر کلامِ رشی کے اس منظوم اردو ترجمے کو دیکھیں شاعری کو شاعری ہی میں ترجمہ کیا گیا ہے اور مترجم خود بھی شاعر ہے۔اس کے علاوہ موضوعِ شاعری تصوف ہے جس سے مترجم کو خود بھی لگاؤ ہے۔وہ اس کی تمام تر اصطلاحات اور ان کے برمحل استعمال سے واقف ہے۔لہٰذا اس ترجمے کی صورت یہ ہے کہ متصوفانہ فکر و خیال کو

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



کمال روانی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اصل کلام اور ترجمہ ملاحظہ ہو:

| | |
|---|---|
| ژوُر ژام لالہ امبارس | میری پونجی میرے موتی ایسے چور کے ہاتھ لگے |
| مُختہ ہِیوُنم بوکہ کیا ہ دوژھے | جس نے مُٹھیاں بھر بھر دونوں ہاتھوں خزانے لوٹ لیے |
| مَہتھ ژولِمُ وَئیں لوُت لارس | لوُٹ چلا بٹ مار تو اب میں کہاں کروں اس کا پیچھا |
| یا رس دِژیم ء اندمز ارس وونوئ(۷) | قبرستان کی تنہائی میں یار کو دیکھنے آ جانا(۸) |

چودھویں صدی کے اس شاعر کا کلام دست بردِ زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکا۔ اس میں ان کے خلفا اور للہ عارفہ کا کلام بھی شامل کر دیا گیا تھا۔ طاؤس بانہالی نے مستند متن کی تلاش تحقیقی بنیادوں پر کی اور ''رشی نامہ'' میں ایک ورق پر اصل متن جو کشمیری زبان میں ہے اور اس کے سامنے کے ورق پر ترجمہ شدہ متن درج کیا ہے۔ یوں آمنے سامنے دونوں صورتوں کو دیکھ کر جہاں تفہیم کے مسائل حل ہو جاتے ہیں وہیں تقابل و موازنہ کرنے میں بھی آسانی ہوتی ہے۔ کس کشمیری لفظ کے لیے اردو میں کون سا لفظ استعمال کیا گیا ہے یہ بہت واضح ہو کر سامنے آتا ہے۔

خلیق انجم کے نزدیک:

> نظم میں ترجمہ کرنے کے لیے مترجم کا شاعر ہونا ضروری ہے، ایسی صورت میں مترجم کی اپنی شاعرانہ شخصیت ہوگی جسے وہ اپنی پوری کوشش کے باوجود ترجمے سے الگ نہیں رکھ سکتا۔ اگر مترجم شاعر ہے تو اس کا امکان ہے کہ ترجمہ اصل سے بہت بہتر ہو جائے۔ دوسری صورت میں ترجمہ اصل سے برا ہوگا۔ مترجم عظیم مصنف تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے اور جب ناکام ہو جاتا ہے تو اسے اپنی سطح پر لے آتا ہے۔(۹)

طاؤس بانہالی کے ترجمے میں ہمیں تخلیقی اُپج نظر آتی ہے اور یہ ترجمہ تخلیقی ترجمے کی ذیل میں رکھا جا سکتا ہے۔ تخلیقی ترجمے کو مشکل ترین بلکہ ناممکن کہا جاتا ہے ورنہ لفظی، بامحاورہ یا ماخوذ و ملخص اور آزاد ترجمے کی تو ہزاروں مثالیں موجود ہیں۔ تخلیقی ترجمے کی اہمیت کا اندازہ یوں لگایا جا سکتا ہے کہ ایک ترجمے سے جو کچھ مطلوب ہوتا ہے وہ اس قسم کے ترجمے کی خصوصیات ٹھہرتی ہیں۔ مثلاً نئی لفظیات، الفاظ و تراکیب اور معانی کی تشکیل، تہذیبی مماثلتوں اور جدید اسالیب کی منتقلی وغیرہ تخلیقی ترجمے کی بنیادی خصوصیات کا ذکر مظفر علی سیّد نے ''فنِ ترجمہ کے اصولی مباحث'' میں قدرے تفصیل سے کیا ہے:

> تخلیقی ترجمہ ایک ایسے اتفاقی حادثے کا نام ہے جس کی پیش بینی نہیں ہو سکتی۔ یہ تو

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



ٹھیک ہے کہ مختلف زبانوں میں ایسی لفظ بہ لفظ مماثلت نہیں ملتی جو بامعنی بھی ہو اور درست بھی، تاہم تخلیقی ترجمہ کرنے والوں نے نہ صرف ایسی مماثلتیں دریافت کی ہیں بلکہ جہاں نہیں بھی تھیں، اپنے تخیل سے پیدا کر کے دکھا دی ہیں۔ چناں چہ ترجمے کی یہ قسم آزادی اور پابندی کے درمیان ایک جدلیاتی کش مکش کرتی ہوئی نظر آتی ہے اور جب یہ تضاد اعلیٰ سطح پر موافقت اور مطابقت کی صورت میں تبدیل ہو جاتا ہے تو فنِ ترجمہ کی رسائی کا اندازہ ہوتا ہے۔(۱۰)

طاؤس بانہالی کے اس ترجمے کو تخلیقی ترجمے کی ذیل میں رکھ سکتے ہیں کہ انھوں نے نہ صرف لفظ کی لفظ سے مماثلت قائم کی ہے بلکہ تخیل سے بھی کام لیا ہے۔

کشمیری زبان میں فارسی کے الفاظ کا کافی ذخیرہ موجود ہے اسی طرح ہندی الفاظ بھی ہمیں ادبی سطح پر مستعمل نظر آتے ہیں۔ طاؤس بانہالی جب ترجمہ کرتے ہیں تو کچھ ایسے الفاظ اردو میں لے آتے ہیں جو دِکھنے میں تو ہندی ہیں لیکن شعری روانی میں ان کی اجنبیت کا پہلو زائل ہو جاتا ہے:

دھیان نہیں اس گیان کا جس کو اس مورکھ کو کیا کہیے
دن اور رات کا فرق برادر یکساں ہے اندھے کے لیے(۱۱)

کہیں ہندی اور فارسی الفاظ کو اکٹھا بھی کر دیا ہے:

گیان عرفان جسے ہے حاصل
اس کے ہاتھ رہا میدان(۱۲)

ہندی الفاظ کے ضمن میں ایک اور مثال یوں ہے:

تھر تھر کانپوں اس پُلیا سے پار میں کیسے اتروں گا
جس پُلّیا کے نیچے بہتا ہے انگاروں کا دریا
کینئیوں پر پت جھڑ اترے دھیمی بہے جیون گنگا
میں تھک ہار کے پلک جھپکتے نیند میں گم ہو جاؤں گا(۱۳)

---

چھ جنگل جب چھان لیے تب جا کے چھٹی حس جاگ اٹھی
ہُو کے وِرد سے دشت نوردی کی یہ مسافت طے کر لی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



عشق کے تپتے انگاروں پر اپنا کلیجہ بھون لیا
ہاں مجھ کو معشوق سے عشق ہے چاہتا ہوں صحبت اُس کی (۱۴)

درج بالا متن کو دیکھیں اصل متن میں اختصار اور جامعیت نمایاں ہے جب کہ ترجمے میں طوالت ہے۔ کشمیری زبان میں اصل متن یوں ہے:

شہ وَنَ ژیٹنتھِ ششکل وُرِ عرم پرَکت ہُوزم پوہ نہ سیئتھ
عشقنہ نارہ وَانجِ بُوزِمء چھمُ عشق معشوق ھیمَن سیئتھ (۱۵)

اسی طرح:

پراں پراں پالُن مَوٹھُم لیکھاں لیکھاں زَولُم دِل
ذِکرے سیئتھی خدائے ٹُوٹھُم فکرے سیئتھَی رَو چھُم شِل (۱۶)

---

پڑھنے لکھنے سے کیا ہوتا پڑھے یہ جب نہ ہوئے عامل
پڑھنے اور لکھنے سے بھلا تسکین کہاں ہوتی حاصل
ہاں جب ذکر کو اپنایا تو مہر اس کا محسوس ہوا
ذکر سے صاحب کو پایا اور فکر سے ٹھہرے صاحبِ دل (۱۷)

کہیں ہمیں طاؤس بانہالی کے ہاں اتنی جامعیت نظر آتی ہے کہ ترجمہ اصل متن سے زیادہ اختصار لیے ہوئے ہے۔ مثلاً ایک نظمیہ جو دس مصرعوں پر مشتمل ہے، اس کا ترجمہ سات مصرعوں میں کیا گیا ہے اور ایسا کہ مطالب و معانی کی تفہیم میں کمی واقع نہیں ہوتی، اختصار کا نقصان اس وقت ہوتا ہے، جب مطالب میں کمی کر دی جائے یا ابلاغ میں مشکل پیش آئے۔ یہاں ایسی صورت نہیں ہے:

دونوں جہاں کچھ لوگوں کو بخشے
کچھ محروم ضیا بھی گئے
کچھ لوگوں کو مل گئے ہیرے
مفت میں کچھ چندھیا بھی گئے
کوئی اچانک طلب ہوا اور کچھ سوئے دریا بھی گئے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



کچھ تو بہک چلے کچھ فصلوں کو ٹڈی دل لگا بھی گئے
کچھ ایسے تھے سو دو زیاں میں اپنی دکان بڑھا بھی گئے(۱۸)

یہ ترجمہ دراصل نور الدین رشی کے تصورات کا احیا ہے۔ وہ تصورات جو کشمیری شاعری میں موجود تھے۔ انھیں جب اردو میں پیش کیا گیا تو خالص متصوفانہ تجربات کی منتقلی سے ایک دل چسپ صورت حال پیدا ہوئی کہ عشقیہ تجربات پر مبنی شاعری کا ترجمہ بھی آسان نہیں لیکن صوفیانہ تجربات اور وارداتِ قلبی کو محسوس کر کے اس جذبے کو مجروح کیے بغیر شعری پیکر میں ڈھال کر پیش کرنا خالصتاً ادبی نوعیت کا کام ہے اور ادبیت و شعریت کی اس بازآفرینی میں طاؤس بانہالی کامیاب ٹھہرتے ہیں۔ انھوں نے نور الدین رشی کے مخصوص موضوعات کو جس طرح چھ صدیوں کے بعد دوبارہ زندہ کیا یہ یقیناً اردو شعری تراجم کے ضمن میں ان کی ایک بڑی کاوش ہے۔

پروفیسر اکرم نے اس بارے میں یوں اظہار کیا ہے:

> شیخ نور الدین رشی نے اپنے دور کی منافقت، ہوس مال و جاہ، تن پروری، ظاہر داری اور جبر و استحصال کے خلاف برہنہ گوئی کی شمشیر بے نیام کی اور طاؤس بانہالی نے کہ بیسویں صدی کا رشی ہے شیخ حضرت نور الدین رشی کی زنگ آلود شمشیر کو پھر سے صیقل کیا اور اس پر اردو کی آب چڑھائی تا کہ اس کی کاٹ دور حاضر کے منافق اور ظالم معاشرے کی جراحت کاری کر کے اس کے جسدِ بیمار کو شفایاب کر سکے۔ طاؤس بانہالی نے شیخ نور الدین کی روح میں فنا ہو کر اس کے کلام کو اردو کے سانچے میں ڈھالا اور اس کی فکر کو اجلا کر دیا۔(۱۹)

اردو شاعری اپنے آغاز ہی سے متصوفانہ خیالات اور تجربات کے بالخصوص شعری اور نثری اظہار سے بھری پڑی ہے۔ پیر و مرید، عبد اور معبود کے تعلقات خالص عشقیہ انداز میں بھی پیش کیے گئے ہیں۔ نور الدین رشی کی شاعری کو اردو میں ترجمہ کرنے سے یہ فائدہ ہوا کہ چودھویں صدی عیسوی کے اس صوفی شاعر کے خیالات اس وقت کی مقامی بولیوں کی لفظیات سے پُر ہیں اور جب انھیں ترجمہ کیا جاتا ہے تو اردو کے ذخیرۂ الفاظ میں مزید وسعت پیدا ہوتی ہے۔ اس وقت کے کشمیری خط میں سنسکرت کو سرپرستی حاصل تھی لیکن نور الدین رشی نے مقامی بولی ''پالی'' میں اظہارِ خیال کیا۔ باعمل صوفی اپنے افکار کی ترویج کے لیے ایسا مقامی انداز اپناتا ہے کہ جو عوام کے رہن سہن، مزاج، عادات اور ثقافت سے قریب ترین ہو اور جب مترجم اس تہذیب کی منتقلی میں کامیاب ہو جائے تو ترجمے کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



نندہ رشی کا یہ کلام آج سے چھ سو سال پہلے کی کشمیری زبان میں ہے لیکن اس کلام کی مہک سے اردو دان طبقے کو روشناس کرانا ایک اہم ادبی فریضہ ہے جو طاؤس بانہالی نے انجام دیا۔ آج کے دور میں کشمیری زبان کی جو صورت ہے وہ اس دور کی زبان سے یقیناً ترقی یافتہ ہے۔ متروک الفاظ میں اضافہ ہو چکا ہے، ایسے میں یہ اردو ترجمہ کشمیری زبان بولنے اور سمجھنے والوں کے لیے بھی رہ نما کا کردار ادا کرتا ہے۔ نندہ رشی کی زبان اور خیال تک اس ترجمے کے ذریعے رسائی ممکن ہے۔ طاؤس بانہالی کشمیری اور اردو پر یکساں دسترس رکھتے تھے۔ شاعر بھی تھے، ریڈیو سے بھی منسلک تھے، ادبی شخصیت تھے گویا الفاظ کا برمحل استعمال ان کے لیے کسی قسم کے تردّد کا متقاضی نہ تھا۔ شمیم احمد شمیم خود کشمیری اور اردو دونوں زبانوں کے ادیب ہیں۔ انھوں نے اس ترجمے کے بارے جو کہا اس سے اس مترجمہ کلام کی بے ساختگی اور روانی کا اندازہ ہوتا ہے:

> اب جو ایک دن میری آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ طاؤس عرف غلام رسول میرے سرہانے ایک کتاب لیے کھڑا ہے۔ ندامت کی تصویر پچھتاوے کا پیکر۔
>
> ''یہ کیا ہے؟'' میں نے بے زاری سے پوچھا۔
>
> ''کتاب ہے۔'' اس نے شرمندگی سے کہا۔
>
> ''کس کی کتاب ہے؟'' میں نے بے زاری کو جھنجھلاہٹ کی آنچ دی۔
>
> ''میری ہے۔'' اس نے ندامت پر پچھتاوے کی قلعی کر دی... تیرے لیے زندہ رہنا کافی ندامت کا کام نہیں۔ جو تو نے اس پر کتاب کا بوجھ لادا؟
>
> سائیں! بس ہوگئی اس نے اپنے بے ارادہ گناہ کا اعتراف کیا۔ بات اس نے ٹھیک ہی کہی ہے اچھی کتاب لکھی نہیں جاتی بس ہو جاتی ہے۔ بے ارادہ سرزد ہونے والے گناہ کی طرح... اب طاؤس سے جو شیخ نورالدین رشی کے کلام کا اتنا خوب صورت، منظوم ترجمہ ہوا ہے تو میں اپنی جگہ سوچتا ہوں مجھے جُل دے گیا۔ سارے کام میرے ساتھ مل کر کیے لیکن یہ کام اکیلے کر گیا۔ پھر خیال آتا ہے۔ صلیب میں اشتراک نہیں ہوسکتا ایک آدمی کے لیے اپنی ہی صلیب کافی ہے۔(۲۰)

ہمیں طاؤس بانہالی کا شکرگزار ہونا چاہیے کہ انھوں نے دنیا کے حسین ترین اور مظلوم ترین خطے کے ایک ولیِ کامل اور مردِ پاک باز کے جامِ جہاں نما میں اسی کشمیر کو اس کی تمام تر رنگینیوں کے ساتھ ہماری آنکھوں کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ ہم کشمیری زبان نہیں جانتے لیکن ''رشی نامہ'' کا اردو ترجمہ پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ

ISSN: 2519-6332 (Print),    ISSN: 2708-1915 (Online)



ہم اس جنتِ ارضی میں گھوم پھر رہے ہیں اور وہاں کے چشموں، ندیوں، باغوں، مزاروں، چناروں اور زعفران زاروں کو خود دیکھ رہے ہیں۔

ترجمہ اتنا عام فہم ہے کہ جیسے سہل ممتنع کا شعر ہو۔ طاؤس نے لفظی ترجمہ کرنے کی بجائے نند رشی کے افکار کو مؤثر ابلاغ کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اصل متن میں جذبے کی جو گہرائی اور وجدان کی جو کیفیت نمایاں نظر آتی ہے یہی کیفیت ترجمے میں بھی موجود نظر آتی ہے رشی کے کلام کی اصل روح اس ترجمے میں موجود ہے۔ انھوں نے الفاظ کے انتخاب اور موزونیت کو ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ تصوف کا وہی لبادہ اوڑھا ہے جو رشی کا ہے:

پربت کی چوٹی پر چڑھ کر اسپ سواری کرتے ہو
کتنی نخوت سے پانی پر تم بحروں میں اترتے ہو[۲۱]

---

| | |
|---|---|
| اَندرِ کرودترا وکھ ہُتے | من کے بل نہ گئے اور پیچ و تاب سے چھٹکارا نہ ملا |
| نیبر کردِل کنٔد ے؟ | تن کی سجاوٹ پر کس کارن، حاصل اس تزئین سے کیا؟ |
| اَنتہ مَک کا سکھ نتے | اندر کی سب مَیل ہے باقی کھیت میں ہَل جوتے بھی نہیں |
| چھوٚیس وَوتھ بَیٹھِہ کنٔدے[۲۲] | جھلسے کھیت میں یونہی دانے بوؤ گے تو کیا ہوگا؟[۲۳] |

---

| | |
|---|---|
| کالِء بُتھہِ وسنم نالہ موٚت ھٔنیم | آخر آمنا سامنا ہوگا آئے گا وہ سخت مقام |
| گرشن عملہ تہ کیاہ چون ناو | جب اعمال کو پوچھا جائے گا لے لے کر میرا نام |
| ژھٹہِ گٔژے اشدر وسنم | روزِ جزا کی حشر گھڑی بس میری آنکھیں برسیں گی |
| کوسَر مسأنِ عمل تہ کیاہ میون ناو[۲۴] | مجھ بدنام کے یہ اعمال ہیں کیا ہوگا میرا انجام[۲۵] |

موضوعات کی بات کی جائے تو عصری صورت حال کی بھی عکاسی ہے کہ نندرِشی نے جس طرح انسانی فطرت کی منافقت، ریاکاری اور ہوس کو بے نقاب کیا:

| | |
|---|---|
| ہےَ مَنہ موت چھکھ مُہَس | ہوس کا اندھا پن ہے، حرص ہے تجھ پر طاری |
| سوٚت چھکھ لأکتھ واُنِی | دَھن کی دُھن میں مگن ہے تو جیسے بیوپاری |
| نفس چھوٚی پھرواں دوھبتن | نفس تجھے دوڑائے دن بھر آ گے پیچھے |
| پٹ چھے گنڈ مٔر لأنی[۲۶] | پٹی آنکھوں پر ہے، عقل پہ پردہ بھاری[۲۷] |

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



یہ ترجمہ نندہ رشی کے افکار کو اتنے سادہ انداز میں پیش کرتا ہے کہ متصوفانہ مسائل کی گرہ کشائی بھی ہوتی چلی جاتی ہے اس کے ساتھ ساتھ مترجم کی اپنی خاص لفظیات بھی تشکیل پاتی ہے۔ ترجمہ کرنے کے لیے سب سے پہلے انتخاب کا مرحلہ آتا ہے اور انتخاب ہی سے مترجم کی دل چسپی کا اندازہ ہو جاتا ہے اور مترجم جس متن کو ترجمہ کرنے کے لیے منتخب کرتا ہے اس کے پس منظر، مخصوص تناظر، لفظیات اور دیگر متعلقات سے واقف ہونا ضروری ہے۔ طاؤس بانہالی ان تمام لوازم وعناصر سے واقف ہے۔ اصل متن کے ساتھ ترجمے کی درج ذیل مثالیں دیکھی جائیں تو باور آتا ہے کہ کس طرح انھوں نے نندہ رشی کے اصل کلام کی روح کو مسخ کیے بغیر آسان ترجمہ کیا:

پھَوُلَے وَڈْکھ دَہ پھَل ء بُودَنَے　　دولت برتل ہِ پُونیْ ذات ء
خدائَے دِیُوتنے نہ کوَ نثرھ گُنے　　نیکی کرنے چھوَنِ کِیاَت(۲۸)

---

بیج اگر نیکی کا بوئے ایک کے دس دانے مل جائیں
نیکی کرتے کچھ نہیں گھٹتا، نہیں ہے نیکی میں نقصان
ایسی گھر آئی دولت کو فقط مقدر والے پائیں
کون ایسی خوبی ہے تجھ میں کہاں کا ہے ایسا گنوان(۲۹)

اس مثال میں ''گنوان'' کا لفظ اور اسی طرح دیگر بہت سے لفظ مثلاً مورکھ، گیان، پُلیا اور جیون وغیرہ ہندی لفظیات کا حصہ ہیں۔ کشمیری زبان کی اصل سنسکرت ہے۔ اس لیے بہت سے مقامات پر طاؤس بانہالی نے سنسکرت الاصل الفاظ ہی استعمال کیے ہیں تاکہ معنی دور نہ جا پڑے۔ چوں کہ کشمیری اور اردو کا بھی ایک گہرا تعلق ہے۔ لہٰذا اس واسطے سے یہ الفاظ اجنبی محسوس نہیں ہوتے۔ ڈاکٹر یوسف بخاری نے اس تعلق کی یوں وضاحت کی ہے:

> ہند کی متعدد زبانیں سنسکرت کی مرہونِ منت ہیں، شورسینی پراکرت کی پیداوار ہیں جس نے آگے چل کر شورسینی اپ بھرنش کی شکل میں بہت سی علاقائی زبانوں کو جن میں پنجابی، اردو اور کشمیری زبانیں بھی شامل ہیں، پروان چڑھایا۔ جب پنجابی اور اردو ایک ہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اردو اور کشمیری زبان کا بھی شورسینی اپ بھرنش ماخذ ہونے کی حیثیت سے قریبی رشتہ ہے۔(۳۰)

اب اگر اصل متن کو سامنے رکھے بغیر صرف ترجمے کو دیکھا جائے تو صورت یہ بنتی ہے کہ نندہ رشی کے افکار اور ریشیت پر مبنی مضامین کو تو ترجمے میں پیش کر دیا گیا ہے۔ ابلاغ اور تفہیم کے درجے کو بھی پہنچ جاتے ہیں لیکن

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



کہیں کہیں شعری اوزان کا خیال نہیں رکھا گیا اور ترجمہ نثر کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ ایسی مثالیں بھی ہیں کہ مصرعے طویل ہیں لیکن وزن کی کمی بیشی نہیں:

عقل کے اندھے ایک نکمّے شخص کو تخت نشیں دیکھا
اس کم عقل کا تو شکی اب کیا کہیے کیسا زیرک تھا
رخت کو تہہ کرنے والے زیرک کو دیکھ کے کہنا پڑا
علم تو چاکر ہے دولت کا عقل سے بے شک بخت بڑا
ایک تماشا یہ بھی دیکھا پالکی میں ایک اندھا جائے
اور اک چشمِ بصیرت والا اس اندھے کو پھرے اٹھائے
کرے سواری ایک سپارہ یاد نہیں جس اندھے کو
اور عالمِ حیران و پریشاں بھات کو کتر سے ساگ نہ پائے
علم تو چاکر ہے قسمت کا عقل سے بے شک بخت بڑا(۳۱)

درجِ بالا مقتبس اشعار میں دونوں صورتیں موجود ہیں کہ کہیں تو مصرع بہت چُست اور اوزان کے مطابق ہے اور کہیں بات کے بیان کرنے سے غرض ہے اوزان کی پروا نہیں۔

طاؤس بانہالی کا یہ ترجمہ اردو زبان میں کیے گئے تراجم میں بلاشبہ ایک وقیع اضافہ ہے۔ کشمیری زبان میں پیش کیے گئے صوفیانہ افکار کی تحفیظ کا سامان ہے۔

علامہ اقبال نے ۱۲/مارچ ۱۹۲۲ء کو لاہور سے شاعر کشمیر مہجور کے نام ایک خط میں لکھا:

> افسوس ہے کہ کشمیر کا لٹریچر تباہ ہو گیا۔ اس تباہی کا باعث سکھوں کی حکومت اور موجودہ (ڈوگرہ) حکومت کی لاپروائی، نیز مسلمانانِ کشمیر کی غفلت ہے کیا یہ ممکن نہیں کہ وادیِ کشمیر کے تعلیم یافتہ مسلمان اب بھی موجود لٹریچر کی تلاش و تحفظ کے لیے ایک سوسائٹی بنائیں۔(۳۲)

کشمیری لٹریچر کی تحفیظ کے سلسلے میں کی گئی انفرادی کاوشوں میں طاؤس بانہالی کے اس ترجمے اور کشمیری لوک کہانیوں کے ترجمے نے جہاں اردو دان طبقے کو کشمیری افکار سے روشناس کرایا وہیں کشمیری ثقافت کے عناصر بھی ان کہانیوں کی صورت میں سامنے آئے۔

ترجمہ ایک زبان ہی کی نہیں ایک تہذیب کی منتقلی ہے۔ یہ تہذیبی لین دین کا عمل ہے۔ اس لیے جس زبان

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



میں ترجمہ کیا جا رہا ہو وہ مزید وسعت کی حامل ہو جاتی ہے۔ یعنی ایک تو یہ کہ کسی زبان کا ذخیرہ الفاظ اتنا ہو کہ ہر مضمون و موضوع کا ترجمہ کیا جا سکتا ہو اور دوسری سطح یہ ہے کہ ترجمہ کرنے سے بھی زبان کے ذخیرہ الفاظ میں اضافہ ہوتا ہے۔ طاؤس بانہالی نے ایسی ہی ایک کاوش کی ہے جس سے ہمیں شیخ العالم نندہ رشی کے افکار کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی کشمیری زبان کے سنسکرت سے جڑے الفاظ ان کا شاعری میں استعمال اور ان کے اردو متبادل اور مترادفات کے ضمن میں یہ ترجمہ ایک بہترین عملی کاوش ہے۔

## حواشی

۱۔ عبدالاحد آزاد، ''کشمیری زبان اور شاعری''، جلد دوم، (سری نگر: جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگوئجز، ۱۹۸۲ء)، ص ۱۶۵
۲۔ محمد یوسف بخاری، ''کاشت شاعری'' (لاہور: نفیس پرنٹرز، ۱۹۸۴ء)، ص ۹۲
۳۔ غلام حسین اظہر، ''طاؤس بانہالی'' (مضمون) مشمولہ روزنامہ ''مشرق''، ۴ر نومبر ۱۹۸۶ء
۴۔ عبدلاحد آزاد، ''کشمیری زبان اور شاعری''، جلد اوّل، (سری نگر: جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز، ۱۹۶۲ء)، ص ۳۷
۵۔ بشیر احمد سلطان، روزنامہ ''نوائے وقت''، ۲۷ر مارچ ۱۹۸۲ء
۶۔ خلیق انجم (مرتب)، ''فن ترجمہ نگاری''، نئی دہلی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۹۶ء، ص ۱۳۵
۷۔ نورالدین رشی، ''رشی نامہ''، اسلام آباد: لوک ورثہ کا قومی ادارہ، ۱۹۸۰ء، ص ۶۸
۸۔ ایضاً، ص ۶۹
۹۔ خلیق انجم، مرتب؛ فن ترجمہ نگاری، ص ۱۴۱
۱۰۔ اعجاز راہی (مرتب)، ''اردو زبان میں ترجمہ کے مسائل''، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء، ص ۴۰
۱۱۔ نورالدین رشی، ''رشی نامہ''، ص ۵۳
۱۲۔ ایضاً، ص ۵۱
۱۳۔ ایضاً، ص ۱۱۷
۱۴۔ ایضاً، ص ۱۱۹
۱۵۔ نورالدین رشی، ''رشی نامہ''، ص ۱۱۸
۱۶۔ ایضاً
۱۷۔ ایضاً، ص ۱۱۹
۱۸۔ ایضاً، ص ۱۱۵
۱۹۔ پروفیسر محمد اکرم، ''بیسویں صدی کے رشی کا رشی نامہ''، مشمولہ روزنامہ ''نوائے وقت''، ۱۰ر نومبر ۱۹۸۲ء
۲۰۔ احمد شمیم، ''اجنبی موسم میں ابابیل''، روزنامہ ''تعمیر''، راولپنڈی، ۲۷ر جون ۱۹۸۲ء
۲۱۔ نورالدین رشی، ''رشی نامہ''، ص ۶۷
۲۲۔ ایضاً، ص ۷۸

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



۲۳۔ ایضاً،ص۷۹
۲۴۔ ایضاً،ص۸۰
۲۵۔ ایضاً،ص۸۱
۲۶۔ ایضاً،ص۱۷۰
۲۷۔ ایضاً،ص۱۷۱
۲۸۔ ایضاً،ص۱۲۷
۲۹۔ ایضاً،ص۱۷۳
۳۰۔ محمد یوسف بخاری،''کشمیر اور اردو زبان کا تقابلی مطالعہ''، (لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۸۳ء)،ص۲۵
۳۱۔ نورالدین رشی،''رشی نامہ''،ص۱۶۵
۳۲۔ علامہ محمد اقبال،''مکتوب بنام مہجور کاشمیری''،مشمولہ''کلیاتِ مکاتیبِ اقبال''، مرتبہ سیّد مظفر حسین برنی، (جہلم: بک کارنر، ۲۰۱۶ء)، ص۳۳۷، ۳۳۸

## مآخذ


۱۔ آزاد،عبدالاحد،''کشمیری زبان اور شاعری''، ج:دوم،سری نگر: جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ،کلچر اینڈ لینگویجز، ۱۹۸۲ء
۲۔ _____،_____،جلد اوّل،_____، ۱۹۶۲ء
۳۔ اقبال،محمد، علامہ،''مکتوب بنام مہجور کاشمیری''،مشمولہ''کلیاتِ مکاتیبِ اقبال''،مرتبہ سیّد مظفر حسین برنی،جہلم: بک کارنر،۲۰۱۶ء
۴۔ انجم،خلیق (مرتب)،''فن ترجمہ نگاری''،نئی دہلی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۹۶ء
۵۔ بخاری،محمد یوسف،''کشمیر اور اردو زبان کا تقابلی مطالعہ''، لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۸۳ء
۶۔ _____،''کاشت شاعری''، لاہور: نفیس پرنٹرز، ۱۹۸۴ء
۷۔ راہی،اعجاز (مرتب)،''اردو زبان میں ترجمہ کے مسائل''، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء
۸۔ رشی،نورالدین،''رشی نامہ''، اسلام آباد: لوک ورثہ کا قومی ادارہ، ۱۹۸۰ء


## اخبارات


۱۔ روزنامہ''تعمیر''، راولپنڈی، ۲۷/جون ۱۹۸۲ء
۲۔ روزنامہ''مشرق''، ۴/نومبر ۱۹۸۶
۳۔ روزنامہ''نوائے وقت''، ۲۷/مارچ ۱۹۸۲ء
۴۔ _____، ۱۰/نومبر ۱۹۸۲ء